کتاب کے ساتھ حکمت اور حکم کی اہمیت

مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی

کتاب کے ساتھ حکمت اور حکم کی اہمیت

خداوند عالم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو چیزیں عطا فرمائیں۔ ایک کتاب الٰہی دوسری حکمت۔ بفحوائے:

وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ○ (النساء: ۱۱۳)

"اور (اے نبی! صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی اور آپ کو وہ علم عطا کیا جو آپ کو حاصل نہیں تھا اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے"۔

یہ انعام خدا تعالیٰ کی طرف سے آلِ ابراہیمؑ کے تمام رسولوں پر ہوا اور ہر رسول و نبی کو جن میں حضرت اسحاقؑ اور حضرت اسماعیلؑ دونوں بیٹوں کی نسل سے تعلق رکھنے والے رسول شامل ہیں' کتاب اور حکمت عطا کی گئی۔ (النساء ۵۴)—— پھر حضورؐ پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی کہ آپؐ خدا کے بندوں کو کتابِ الٰہی اور حکمت کی تعلیم دیں۔

هُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (الجمعہ: ۲)

"وہی (خدائے برحق) ہے جس نے امیوں (عربوں) میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا' جو ان کے سامنے خدا کی آیات پڑھتا ہے اور انہیں سنوارتا ہے

اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور یہ لوگ اس سے پہلے گمراہی میں مبتلا تھے"

قرآن کریم نے ایک حبشی غلام (حضرت لقمان) کا ان کے نام کے ساتھ تذکرہ کیا' جو لقمان کے حق میں بڑی فضیلت کی بات ہے -- صرف اس لئے کہ لقمان کو اللہ تعالیٰ نے حکمت سے نوازا تھا:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ (لقمان: ۱۲)

"اور ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی کہ وہ خدا کا شکر ادا کرے۔ اور جو خدا کا شکر ادا کرتا ہے تو اپنے فائدہ کے لئے کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو (اس سے اللہ کی عظمت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی) اللہ تعالیٰ بے نیاز اور قابل حمد و ثناء ہے"۔

لقمان ایک ولی و درویش تھے' نبی اور رسول نہیں تھے -- مگر ان کی دانش مندی نے انہیں رسولوں کے برابر مقبولیت عطا کی تھی -- یہ حضرت داوٗدؑ کے عہد میں تھے اور سوڈان کے علاقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

لغت عربی میں لفظ حکمت کی حقیقت

اس کا مادہ حکم ہے۔ باب نصر سے مصدر حکومت و حکم بمعنی فیصلہ کرنا' باب کرم سے مصدر حکمت بمعنی دانا اور دور اندیش ہونا اور باب افعال و استفعال سے احکام و استحکام کے معنی مضبوط کرنا تھا۔ عرب گھوڑے کے لگام کے اس حصہ کو جو اس کے منہ کے اندر ہوتا ہے حَكَمَة (ج حَكَمَات) کہتے ہیں' کیونکہ علم و دانش جس طرح انسان پر کنٹرول رکھتی ہے اسی طرح لگام گھوڑے کو کنٹرول میں رکھتی ہے۔

حکمت کے اصطلاحی معنی

اکثر تابعین علماء کے نزدیک حکمت سے کتابِ الٰہی کے ظاہری مطالب اور واضح معانی کے علاوہ اس کے پوشیدہ حقائق' پوشیدہ عبرتوں' احکام کی مصلحتوں' اصول و کلمات کے اندر مخفی جزئیات و فروع' نزولِ احکام کے موقع و محل کا فہم اور ان تمام

رموز و اسرار کو سمجھنے کی صلاحیت اور الہامی بصیرت مراد ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس الہامی بصیرت کے ذریعہ کتابِ الہٰی کی باریک باتوں کو امت کے سامنے رکھنے کی غرض سے جو اقوال و افعال ظاہر کئے ان کو حدیث' سنت اور اسوۂ حسنہ کے ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ آپ کی سنتِ مطہرہ چونکہ اس الہامی حکمت کا مظہر ہے اس لئے بعض علماء نے حکمت کی تفسیر سنتِ نبوی ہی سے کی ہے۔ اور اس تعلق کی وجہ سے ظاہر ہے کہ سنتِ نبوی بھی وحیِ الہٰی (وحیِ خفی) قرار پاتی ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں جس علمی قوت کا نام اجتہاد ہے وہ بھی حکمتِ الہٰی میں داخل ہے اور حکمت ہی کا دوسرا نام ہے۔

مولانا تھانویؒ نے حکمت کی تشریح کرتے ہوئے حکمت کے اس پہلو پر خاص زور دیا ہے۔ سورۃ البقرہ آیت ۱۲۹ کا ترجمہ کرتے ہیں:

> "ابراہیم اور اسماعیل دونوں نے دعاء کی کہ اے ہمارے پروردگار! اس جماعت کے اندر ان ہی میں کاایک ایسا پیغمبر بھی مقرر کیجئے جو ان لوگوں کو آپ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کریں اور ان کو آسمانی کتاب کے مضامین کی اور اس میں خوش فہمی کا سلیقہ حاصل کرنے کی تعلیم دیا کریں اور ان کو تلاوت اور تعلیم کے ذریعہ سے جہالت کے خیالات اور اعمال سے پاک کر دیں"۔

تفسیر میں لکھتے ہیں:

> "اور خوش فہمی کا سلیقہ یہ ہے کہ بات میں سے بات نکالیں' اصل سے فرع کا حکم سمجھ لیں ایک نظیر کو دوسری نظیر پر برعایتِ اصول صحیح قیاس کر لیں جس کو اصطلاح میں اجتہاد اور تفقہ کہتے ہیں۔ چنانچہ اَتباعِ محمدیہ (علماء و فقہاء) میں بہت اکابر اس صفت سے ممتاز ہوئے اور ان کی برکات سے آج عامۃ المسلمین دین سے منتفع ہو رہے ہیں"۔ (بیان القرآن کلاں' ص ۶۴)

حضرت تھانوی نے "خوش فہمی کے" الفاظ بہترین سمجھ کے معنی میں استعمال کئے ہیں۔ اردو محاورہ میں خوش فہمی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فلاں شخص اپنے آپ کو اپنی حیثیت سے زیادہ سمجھتا ہے' خوش فہمی میں مبتلا ہے۔

"حکمت" الہامِ ربانی کا آخری درجہ

حکمت کی جو تعریفات کی گئی ہیں ان کے مطابق حکمت خدا کے الہام و القاء کی آخری صورت قرار پاتی ہے۔ خداوندِ عالم کی طرف سے دنیا کی جاندار مخلوق کو دو چیزیں عطاء کی گئیں ـــ ایک وجود اور دوسری سمجھ اور شعور۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے جواب میں نہایت اہم جواب دیا اور بڑے جامع فقروں میں خداوندِ عالم کا تعارف کرایا:

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ○ قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ○
(طٰہٰ:۴۹-۵۰)

"وہ بولا اے موسیٰ (و ہارون!) تمہارا رب کون ہے؟ موسیٰؑ نے جواب دیا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شے کو وجود بخشا اور پھر سمجھ عطا کی"۔

اس آیت میں ہدایت سے زندہ رہنے کی سمجھ' فطری شعور' جو ہر شے کو اس کی ضرورت کے مطابق خالقِ فطرت کی طرف سے عطا کیا جاتا ہے' مراد ہے۔ حیوانات' چرندوپرند' پھر انسان' زندگی کی ہر منزل پر زندگی گزارنے کی سمجھ بوجھ ساتھ لے کر آتا ہے۔

انسانیت کا آخری کمال نبوت و رسالت ہے۔ نبوت کے پیغام (کتاب) اور اس کے تمام کاموں کو چلانے کے لئے جو عقلِ کامل اور فہم رسا نبی کو بطورِ الہام (وحیِ خفی) عطا کیا جاتا ہے قرآن کی اصطلاح میں اسے حکمت کہتے ہیں۔اسی حکمت کو کتابِ الٰہی کی تعلیم کے ساتھ نبی خدا کے بندوں کو پہنچاتا ہے کیونکہ انسان آخرت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے کتاب و حکمت کا محتاج ہے۔ عقل انسانی اس دائرہ میں انسان کی رہنمائی سے قاصر ہے۔

حکمت اور حکم ہم معنی ہیں

قرآن کریم نے کتاب کے ساتھ کہیں "حکمت" دیئے جانے کا ذکر کیا ہے اور کہیں "حکم" دیئے جانے کا ـــــ آلِ عمران (۷۹) میں تعمیم کے ساتھ کہا:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا

عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ○

"کسی انسان کا یہ کام نہیں کہ اللہ تعالیٰ تو اسے کتاب اور حکم اور نبوت عطا کرے اور وہ لوگوں سے یہ کہے کہ خدا کے سوا میرے بندے بن جاؤ، لیکن (وہ تو یہی کہے گا کہ) خدا کے سچے بندے بن جاؤ، کیونکہ جس کتاب (توراۃ) کو تم (اے بنی اسرائیل) خود پڑھتے اور پڑھاتے ہو اس کا تقاضا یہی ہے۔"

مشہور انبیاءِ کرام کا تذکرہ کرنے کے بعد کہا گیا:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ (الانعام :۸۹)

"یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب، حکم اور نبوت عطا فرمائی۔"

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○(الجاثیہ :۱۶)

"اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکم اور نبوت عطاء فرمائی اور انہیں پاکیزہ روزی عطاء فرمائی اور انہیں تمام عالم والوں پر فضیلت دی۔"

ان تینوں آیتوں میں حکم کے معنی وہی ہیں جو حکمت کے ہیں۔ لغوی اعتبار سے حکمت اور حکم کے مصدروں کا فرق ہے، لیکن مفہوم قریب قریب ایک ہی ہے، یعنی کتابِ الٰہی کا فہم، دین کی سمجھ، کتاب کے منشأ کے مطابق کام کرنے کی حکمت، عام معاملات میں کتابِ الٰہی کی اصولی روشنی میں فیصلہ کرنا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ۭ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ○

"اور جب (یوسف) جوانی کی عمر کو پہنچے تو ہم نے انہیں حکم اور علم عطا کیا اور ہم حسنِ عمل اختیار کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔"

لغت میں "حکم" کے مصدر "حکومت" کے معنی سیاسی قوت کے بھی آتے ہیں، لیکن حضرات انبیاءِ کرام کے سلسلہ میں اس انعامِ الٰہی کا مفہوم عقل کی قوت ہے، سیاسی قوت مراد نہیں ہے۔ اس تشریح کے لئے یہ حوالہ کافی ہو گا کہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم نے ان آیات کی تشریح میں قوت عقل ودانش ہی کا مفہوم اختیار کیا

ہے' کہیں سیاسی قوت مراد نہیں لی ہے۔ اس کے علاوہ حکم کا لفظ جہاں اللہ تعالیٰ کے لئے آیا ہے' مثلاً "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ" وہ سات مقام ہیں۔ ان آیات میں بھی مودودی نے قوتِ فیصلہ و بصیرت مراد لی ہے۔ صرف سورۃ القصص میں دو جگہ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (۷۰' ۸۸) میں "فرماں روائی" ترجمہ کیا ہے۔۔۔ مودودی صاحب سے اپنے فکر کو منسوب کرنے والے اہلِ قلم "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ" کے صرف سیاسی مفہوم پر اصرار کرتے ہیں اور اسی تصور کو دین کا اول و آخر مقصد بتاتے ہیں[۱]۔

۱۔ یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ صاحب مضمون (مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی) کا "حکم" بمعنی "حکمت" ہی کے مفہوم پر اصرار کرنا اور اس کے سیاسی قوت' حکومت یا فرمانروائی والے مفہوم کی نفی کرنا محض مولانا کی ذاتی رائے ہے۔ ادارہ حکمت قرآن مولانا کی اس رائے سے ہرگز متفق نہیں ہے' کیونکہ ان کی یہ رائے جمہور مفسرین کرام کی رائے سے متصادم ہے۔ مثال کے طور پر صاحب موضح القرآن حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے "اِنِ الحکم اِلّا لِلّٰہ" کا ترجمہ ایک مقام پر "حکومت نہیں ہے کسی کی سوا اللہ کے" (یوسف : ۴۰) اور دوسرے مقام پر "حکم کسی کا نہیں سوا اللہ کے" (یوسف : ۶۷) کیا ہے۔ اسی طرح سورۃ القصص میں "لَہُ الحُکم" کا ترجمہ شاہ صاحبؒ نے "اسی کے ہاتھ حکم ہے" اور "اسی کا حکم ہے" کیا ہے۔ کاش کہ "محاسنِ موضح القرآن" کے مؤلف یہ سطور رقم کرنے سے قبل موضح القرآن میں مذکورہ بالا آیات کا ترجمہ دیکھ لیتے۔ پھر مولانا نے اس کی تشریح میں سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کا جو حوالہ دیا ہے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس کے بارے میں بھی مولانا (قاسمی صاحب) کو شدید تسامح ہوا ہے۔ یہ بات قطعی طور پر خلافِ واقعہ ہے کہ "مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم نے ان آیات کی تشریح میں قوتِ عقل و دانش ہی کا مفہوم اختیار کیا ہے' کہیں سیاسی قوت مراد نہیں لی ہے" ----- آیئے دیکھتے ہیں کہ مولانا مودودی مرحوم نے ان آیات میں "حکم" سے کیا مفہوم مراد لیا ہے۔ مولانا مرحوم نے سورۂ یوسف میں "اِنِ الحکم اِلّا لِلّٰہ" کا ترجمہ ایک مقام پر ان الفاظ میں کیا ہے: "فرماں روائی کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں" (یوسف : ۴۰' تفہیم القرآن' ج ۲ ص ۴۰۲) اور دوسرے مقام پر یہ کیا ہے: "حکم اس کے سوا کسی کا بھی نہیں چلتا" (یوسف : ۶۷' تفہیم القرآن ج ۲ ص ۴۱۷)۔ اسی طرح سورۂ کہف آیت ۲۶ میں "وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهٖٓ اَحَدًا" کا ترجمہ مولانا مودودی مرحوم نے اس طرح کیا ہے: "اور وہ اپنی حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا"۔ (تفہیم القرآن ج ۳' ص ۲۱) ----- معلوم نہیں کیوں مولانا قاسمی صاحب "حکم" کو "حکمت" ہی کے معنوں میں محدود کرنے پر مصر ہیں! کہیں اس کا سبب یہ تو نہیں کہ ہندوستان میں رہتے ہوئے چونکہ اسلام کی فرمانروائی اور غلبہ و اقتدار کا معاملہ قریباً ناممکن الحصول نظر آتا ہے لہٰذا ان تصورات ہی سے ایک گونہ ذہنی بعد پیدا ہو چکا ہو! واللہ اعلم

کتابِ الٰہی اور حکمتِ ربانی کی چند مثالیں

ایک مثال یہ ہے کہ جب مخالفین نے حضورؐ کو زچ کرنے کے لئے آپؐ سے چند فرمائشی معجزات طلب کئے اور اس فرمائش سے یہ تاثر پیدا ہوا کہ یہ لوگ حضورؐ کو خدائی کے مقام پر فائز سمجھتے ہیں، حالانکہ وہ آپ کو محض پریشان کرنا چاہتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان مبارک سے یہ اعلان کرایا:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ (الکہف: ۱۱۰، فصلت: ۶)

"آپ اعلان کر دیں کہ میں تو تم جیسا ایک بشر ہوں (البتہ فرق یہ ہے کہ) مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔"

یعنی میں خدائی کے مقام پر فائز نہیں ہوں کہ تمہاری ہر فرمائش پوری کر دوں۔ یہ تعلیمِ الٰہی اور وحیِ جلی کی ایک مثال ہے۔ لیکن جب اس کے برعکس ایک موقعہ آیا اور بعض صحابہ کرامؓ نے حضورؐ کی اتباع میں صومِ وصال رکھنے شروع کئے تو اس سے یہ تاثر پیدا ہوا کہ بعض صحابہؓ آپ کو ایک عام مسلمان کی طرح سمجھ رہے ہیں اور صومِ وصال رکھنے میں آپؐ کے اتباع کو ایک معمولی بات قرار دے رہے ہیں۔ تو آپؐ نے ان کی یہ غلط فہمی دور فرمائی اور کہا:

اَیُّکم مِثلی، یُطعِمنی رَبی و یَسقِینی

"تم میں سے کون میری مانند ہے، مجھے تو میرا خدا کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔"

خدا کے براہِ راست کھلانے پلانے سے آپؐ کا مطلب یہ تھا کہ میرے اندر ایک نبی و رسول ہونے کے ناطے جو خاص قدرتِ برداشت ہے اس سے تم محروم ہو۔ یعنی نفسِ بشریت میں برابری ہونے کے باوجود نوعِ بشریت اور قسمِ بشریت میں فرق ہے۔ یہ حکمتِ الٰہی کی مثال ہے جو اس موقعہ کے لئے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر القاء کی گئی۔

دوسری مثال، عزیمت اور رخصت

دوسری مثال یہ ہے کہ قرآن کریم نے اہلِ استقامت کی تعریف کرتے ہوئے کہا:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ الخ (حٰمٓ السجدۃ)

"بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اس پر قائم رہے تو ان پر (رحمتِ الٰہی کے) فرشتوں کا نزول ہوتا ہے (جو انہیں خدا کے فضل و کرم کی خوش خبری دیتے ہیں)"

اس آیت پر حضرت بلال حبشیؓ نے عمل کیا۔ حضرت بلالؓ ناقابل برداشت تکلیفیں اٹھا کر بھی یہ کہتے:

وَاللّٰہِ لَو اعلمُ کلمۃً ھی اغیظُ لکم منھا لقلتھا

"خدا کی قسم! اگر مجھے (کلمۂ طیبہ کے علاوہ) کوئی دوسرا ایسا کلمہ معلوم ہوتا جس سے تم (سردارانِ قریش) کو اس (کلمہ) سے زیادہ غصہ آتا تو میں وہی کلمہ زبان پر لاتا (اور اس طرح تمہیں جلاتا۔)"

حضرت بلالؓ مقامِ عزیمت پر فائز تھے۔ اس کے مقابلہ میں ایک رخصت کا مقام ہے، اس پر حضرت عمارؓ ابنِ یاسرؓ فائز تھے۔ حضرت عمارؓ کے سامنے ان کے ماں باپ یاسرؓ اور سمیہؓ کو شہید کر دیا گیا۔ پھر ان ظالم سرداروں نے حضرت عمارؓ پر ہاتھ ڈالا اور انہیں اپنے بتوں کی تعریف کرنے اور حضورؐ کی شان میں گستاخی کرنے پر مجبور کیا۔ حضرت عمارؓ ایک کمزور طبیعت آدمی تھے، بوڑھے ماں باپ کی اندوہناک موت نے انہیں بالکل دہشت زدہ کر دیا تھا، انہوں نے اپنی جان بچانے کے لئے کفر کے کلمات کہہ دیئے اور جان بچا کر گھبرائے ہوئے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: **ماترُکتُ حتی سبّبتکَ و ذکرتُ اٰلِھَتَھُم بخیرٍ** یا رسول اللہ! ان ظالموں نے مجھے اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک میں نے آپؐ کی شان اقدس میں گستاخی نہیں کر لی اور ان کے بتوں کی تعریف نہ کر لی۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: **کَیفَ تَجِدُ قلبکَ؟** تم نے اس وقت اپنے دل کی حالت کو کیسا پایا؟ وہ بولے: **مُطْمَئِنًّا بِالْاِیمانِ** ایمان پر قائم پایا۔ آپؐ نے فرمایا: کوئی مضائقہ نہیں **اِن عَادُوا فَعُدْ** وہ اگر پھر اسی طرح ظلم کریں تو تم اسی طرح اپنی جان بچالینا!

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت اور رخصت کی اجازت حکمتِ ربانی کے تحت تھی آپؐ پر القاءِ ربانی ہوا کہ عمارؓ کو رخصت کی اجازت دیدی جائے، آپؐ نے اجازت دیدی۔ چونکہ عزیمت کے مقابلہ میں رخصت کا معاملہ بڑا نازک تھا،

خداوندِعالم نے اسے حکمت یعنی وحیِ خفی تک نہیں رکھا، بلکہ وحیِ جلی اور تعلیم ظاہری سے اس کی تصدیق فرما دی اور یہ آیت نازل ہوئی:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ (النحل: ۱۰۶)

"جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرے، اگر اسے مجبور کیا گیا ہو مگر اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو تو اسے اس کی رخصت ہے ـــ البتہ اگر اس نے دل کی رضامندی سے کفر اختیار کیا تو اس پر خدا کا غضب نازل ہو گا اور وہ دردناک عذاب کا مستحق ہو گا۔"

یہ رخصت عقل و دانش کا تقاضا ہے۔ ہر انسان بلالؓ کی طرح صاحبِ عزم و استقامت نہیں ہوتا، اس لئے ضروری ہے کہ مذہب میں اتنی گنجائش رہے تاکہ کمزور طبیعت آدمی بھی دین کے دائرے میں شامل رہے۔

دنیاوی کاموں میں عقل و تدبیر

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیاوی کاموں اور اسباب و علل کی سرگرمیوں میں عقل و تدبر سے کام لینے کی ہدایت فرمائی، کیونکہ عقل و فہم خدا کا خاص عطیہ و انعام ہے اور وہ چاہتا ہے کہ انسان اس خدائی عطیہ کو کام میں لائے، اسے بے کار نہ چھوڑے۔

(۱) حضرت انسؓ نے عرض کیا: اَوصِنِی یَارَسُولَ اللّٰہ! حضورؐ مجھے کوئی اہم نصیحت کیجئے ـــ آپؐ نے فرمایا: خُذِ الامرَ بِالتدبیرِ فَاِنْ رَاَیتَ فِی عاقِبَتِہٖ خَیرًا فَامضِہٖ وَاِنْ خِفْتَ غَیًّا فَامسِکْ کہ ہر کام سوچ سمجھ کر تدبیر کے ساتھ کیا کر، پھر اگر تجھے اس کام کا انجام ٹھیک نظر آئے تو اسے اختیار کر لے اور اگر اس کے انجام میں نقصان نظر آئے تو اس کام سے باز رہ۔

(۲) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: اِنَّ الرَّجُلَ لَیَکُونُ مِن اھلِ الصَّلٰوۃِ والصَّومِ والزَّکٰوۃِ والحَجِّ والعُمرَۃِ حتّٰی ذکرَ سِھامَ الخیرِ

كُلَّها۔ وَمَا يُجزىٰ يَوم القِيامَة اِلَّا بِقَدْرِ عقلِہ۔۔۔ یعنی ایک شخص نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے، زکوٰۃ، حج اور عمرہ ادا کرتا ہے، یہاں تک کہ آپ نے تمام نیکیوں کے نام لئے ۔۔ پھر فرمایا: مگر قیامت کے دن اسے ان نیکیوں کا ثواب اس کی عقل کے مطابق دیا جائے گا۔

حدیث کے شارح فرماتے ہیں: **لِاَنہٗ بِالعقلِ یَضَعُ کُلّاً مِن هٰذہ موضِعَہٗ علیٰ ما یَنبَغی و رُبَما یَرکَعُ العاقِلُ رَکعةً فِی موضِعٍ تُساوِی الفَ رکعةٍ فِی غیرِ ذٰلِکَ الموضع** کیونکہ ایک عقل مند آدمی ہر عبادت کو مناسب موقعہ و محل میں ادا کرتا ہے اور اس کا لحاظ کرنے کی وجہ سے کبھی ایک رکعت کا ثواب ہزار رکعتوں کے برابر ہوتا ہے۔

(۳) ایک حدیث میں فرمایا: **لَا یُلدغُ المُؤمِنُ مِن جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَرَّتَین** کہ مومن اتنا سمجھدار ہوتا ہے کہ وہ ایک سوراخ سے دو دفعہ نہیں ڈسا جاتا (مشکوٰۃ، ص ۴۲۹) یعنی اسے کوئی دھوکہ باز آدمی بار بار دھوکہ نہیں دے سکتا۔

مقدمات میں دور اندیشی کی تاکید

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں ایک مقدمہ پیش ہوا۔ آپؐ نے مقدمہ کی ظاہری روداد سماعت فرما کر ایک فریق کے حق میں فیصلہ صادر فرما دیا۔ عوف ابنِ مالکؓ اس واقعہ کے راوی ہیں۔ ہارنے والا فریق جب فیصلہ سن کر جانے لگا تو اس نے چلتے ہوئے یہ کلمۂ توکل پڑھا: **حَسْبِیَ اللّٰہ وَنِعمَ الوکیلُ** حضورؐ نے یہ کلمہ سن کر فرمایا کہ اسے میرے پاس واپس لاؤ۔ وہ واپس آگیا، آپؐ نے پھر اس سے پوچھا تم نے کیا پڑھا تھا، اس نے وہ کلام دوہرایا۔ آپؐ نے اسے نصیحت کرتے ہوئے مسلمانوں کو ایک گراں قدر حکم دیا۔ فرمایا:

> **اِنَّ اللّٰہَ یلومُ علَی العِجزِ ولٰکِن علیکَ بِالکَیسِ فَاِذَا غَلَبَکَ اَمرٌ فَقُل حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعمَ الوَکیل**
>
> "اللہ تعالیٰ کو کسی بندہ کی بے کسی اور بے بسی پسند نہیں، البتہ تجھ پر لازم تھا کہ تو (اپنے مقدمے میں) دور اندیشی اور ذہانت و ہوشیاری سے کام لے

--- پھر اگر تجھ پر تقدیرِ الٰہی غالب آ جائے اور تو ہار جائے تو پھر خدا تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسے کا اظہار کر اور یہ کہہ : کافی ہے مجھے اللہ' اور وہ کیا خوب کارساز ہے"۔

حضورؐ کو اپنی پیغمبرانہ فراست سے معلوم ہوا کہ اس شخص نے ہوشیاری سے اپنا معاملہ پیش نہیں کیا اور جب یہ ہار گیا تو اپنی بے کسی کا اظہار کرتے ہوئے توکل علی اللہ کا اظہار کرنے لگا۔

تقدیر اور تدبیر دونوں کا اپنا اپنا مقام ہے۔ تقدیر اور خدا کا فیصلہ ہر لمحہ جاری رہتا ہے' لیکن شریعت کہتی ہے کہ انسان تقدیر پر یقین رکھتے ہوئے تدبیر کے راستہ پر چلتا رہے اور جب تدبیر میں ناکامی ہو جائے تو تقدیر سے سہارا حاصل کر کے ناامیدی سے اپنے آپ کو بچائے۔

انتظامی امور میں اجتہادی غلطی

تفسیری مباحث میں ایک بحث ملتی ہے کہ حضورؐ سے بعض معاملات میں اجتہادی غلطی سرزد ہوئی۔ علماءِ تفسیر نے قرآن کریم میں مذکور اس قسم کے پانچ واقعات کی نشاندہی کی ہے۔ ان واقعات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے بعض انتظامی معاملات میں غلطی سرزد ہوئی اور پھر وحیِ الٰہی نے ان معاملات کو سنبھالا۔ واضح رہے کہ یہ اجتہادی غلطی قرآن کریم کو سمجھنے اور قرآن کے کلی اصولوں سے جزئیات کے استنباط میں واقع نہیں ہوئی۔ جیسے صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں دیکھے گئے خواب کی تعبیر میں آپؐ سے سہو ہوا' اور غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے منافقین کو اجازت دینے کے معاملہ میں آپؐ سے بھول ہوئی اور تابیر نخل کے واقعہ میں آپؐ کی رائے باغبانی کے تجربہ کے خلاف پڑ گئی اور پھر آپؐ نے بعد میں اپنی رائے واپس لی۔

تمدن اور معاشرت کے وقتی اور انتظامی معاملات میں زیادہ سے زیادہ صحیح راہِ عمل اختیار کرنے کے لئے باہمی مشورہ کرنا ہی ایک عقلی اور فطری راستہ ہے اور قرآن کریم نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان معاملات میں اپنے صاحبِ عقل و فہم رفیقوں کے ساتھ مشورہ کرنے کی ہدایت کی۔

تابیرِ نخل' باغبانی کا ایک انتظامی معاملہ تھا:

نر اور مادہ کھجوروں کے درمیان تعلق قائم کرنے اور نر کھجوروں کے پھول مادہ کھجوروں کے درختوں پر ڈالنے کا معاملہ باغبانی اور کھجوروں کی زراعت میں ایک انتظامی معاملہ تھا اور اس کا تعلق تجربہ سے تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذاتی رائے سے اس فعل کو ایک عجیب و غریب فعل سمجھ کر کھجوروں کی کاشت کرنے والوں کو منع کر دیا' لیکن اس فعل کے نہ کرنے سے لوگوں کو نقصان ہوا۔ پھر جب آپؐ کے علم میں آیا تو آپؐ نے اپنی ذاتی رائے سے رجوع کر لیا اور فرمایا: میں تو تم ہی جیسا ایک انسان ہوں' البتہ جب دین کے معاملہ میں تم سے کچھ کہوں تو اس کی پیروی کرو' دنیا کے معاملات تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔ (**اَنتُم اَعلَمُ بِاُمُورِ دُنیاکُم**)

موقعہ و محل کی رعایت

حکمت کا ایک اہم باب یہ ہے کہ خدا کے احکام و ہدایات کو نہایت مناسب موقعہ و محل میں جاری کیا جائے' تاکہ اس کا اثر خوب پڑے --- بے موقعہ بات کا اثر کم پڑتا ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ قرآن کریم نے وقت کی قدر کرنے کی تلقین و ہدایت میں یہ پیرا یہ اختیار کیا ہے کہ لوگوں کو لغو باتوں اور بے کار کاموں سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ سورۃ المومنون کی ابتدائی دس آیتوں میں نماز کے بعد ایمان والوں کی دوسری صفت یہ بیان کی گئی ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّکٰوةِ فٰعِلُوْنَ ○

"بے شک وہ ایمان والے کامیاب رہتے ہیں جو اپنی نمازوں میں عاجزی اختیار کرتے ہیں' اور فضول باتوں سے دور رہتے ہیں اور زکوٰۃ دینے والے ہیں"۔

اور سورۃ الفرقان میں "عبادالرحمان" یعنی رحمان کے خاص بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَالَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا کِرَامًا ○

"اور جب فضول اور بے کار باتوں پر ان کا گزر ہو جاتا ہے تو شریف آدمیوں

کی طرح گزر جاتے ہیں۔"

"لغو" قرآن کا اصطلاحی لفظ ہے جس میں فضول باتیں اور بے مقصد کام دونوں داخل ہیں۔ شاہ صاحب نے سورۃ الفرقان کی آیت ۷۲ میں لغو کا ترجمہ "کھیل کی باتوں" کیا ہے اور حاشیہ پر لکھا ہے:

"کھیل کی باتوں کی طرف دھیان نہیں کرتے' نہ اس میں شامل نہ ان سے لڑیں۔"

شاہ صاحب کا مقصد یہ ہے کہ رحمان کے خاص بندے وہ ہیں جو بے فائدہ باتوں میں وقت ضائع نہیں کرتے' اور چونکہ وہ بے فائدہ اور بے مقصد کام شرعاً ممنوع اور ناجائز نہیں ہوتے اس لئے ان سے الجھنا بھی مناسب نہیں سمجھتے۔ ظاہر ہے کہ یہ درجہ اخلاقی صفات کا درجۂ کمال ہے اور اہل اللہ اور مقربینِ الٰہی اس درجہ پر فائز ہوتے ہیں' عام مسلمان اس درجہ کے مکلف نہیں قرار دیئے جا سکتے۔ مشائخِ ربانی کی خانقاہیں اسی اخلاقی کمال کی تربیت گاہیں ہوتی ہیں' جن میں اللہ کے بندوں کو فرائضِ دین کی تربیت کے ساتھ فضول گوئی اور بے فائدہ کاموں سے دور رہنے کی تربیت دی جاتی ہے اور تمام اوقات کو خدا کے ذکر سے گھیرے رکھنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ اب اس سلسلہ میں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حکیمانہ تربیت پر غور کرو۔

حضرت کعب ابنِ عجرہ کا واقعہ

وہ بیان کرتے ہیں: میں ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' میں نے دیکھا کہ آپؐ کا چہرہ اترا ہوا ہے میں نے عرض کیا: **بِابِی انت مالِی اراکَ مُتَغیِّراً** "میرا باپ آپؐ پر قربان ہو' میں آپؐ کے روئے انور کو متاثر کیوں دیکھ رہا ہوں؟" آپؐ نے فرمایا: **مَا دَخَلَ جَوفِی مَا یَدخُلُ جَوفَ ذاتَ کَبِدٍ مُنذُ ثَلاث** "میرے پیٹ میں تین وقت سے کوئی دانہ داخل نہیں ہوا۔" میں یہ سن کر باہر آ گیا' ایک یہودی اپنے اونٹ کو پانی پلانے کے لئے کھڑا تھا' میں نے اسے پانی پلایا اور ایک ڈول پر ایک کھجور حاصل کی۔ یہ کھجوریں لے کر میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ (واضح رہے کہ عرب کا اونٹ دو چار ڈولوں سے سیراب نہیں ہوتا' بلکہ وہ بیسیوں ڈول پانی اپنے پیٹ میں ذخیرہ کر لیتا ہے' قدرت نے اس میں یہ صلاحیت پیدا کی ہے)۔

حضورؐ نے کعب کے اچانک چلے جانے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے سارا واقعہ بیان کر دیا اور وہ کھجوریں خدمتِ اقدس میں پیش کر دیں۔ آپؐ نے پوچھا: **اَتُحِبُّنی یا کعبُ** "اے کعب کیا تم مجھ سے محبت کرتے ہو؟" میں نے عرض کیا: "جی ہاں!" آپؐ نے فرمایا: **اِنَّ الْفَقرَ اَسرَعُ اِلیٰ مَن یُحِبُّنی مِنَ السَّیلِ اِلیٰ مَعَادِنِہٖ** "(اے کعب) فقر و فاقہ میرے ساتھ محبت کرنے والوں کی طرف اس طرح دوڑتا ہے جس طرح سیلاب کا پانی نشیب کی طرف دوڑتا ہے"۔ **وَاِنَّہٗ سَیُصِیبُکَ بَلاءٌ فَاَعِدَّ لَہٗ تِجفَافًا** "بے شک تجھے آزمائش (غربت) گھیرے گی پس تو اس کے لئے صبر کی ڈھال تیار کر لے۔

پھر عرصہ تک کعبؓ کو حضورؐ نے نہیں دیکھا اور ان کے بارے میں لوگوں سے پوچھا: کعبؓ کہاں چلے گئے؟ لوگوں نے کہا' وہ بیمار پڑے ہوئے ہیں۔ آپؐ ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور انہیں بشارت دی۔ **اَبْشِر یَا کَعْب** "کعبؓ بشارت ہو!" ان کی والدہ نے ایک قدم آگے بڑھا کر یہ کہا: **ھَنِیئًا لَکَ الجَنَّۃُ یَا کَعْب** "کعبؓ جنت مبارک ہو!" حضورؐ نے یہ جملے سن کر پوچھا: **مَن ھٰذِہِ المُتَاَلِّیَۃُ عَلَی اللّٰہ** "یہ کون ہے جو خدا پر قسم چڑھا رہی ہے؟" یعنی کعبؓ کے لئے جنت کی خبر دے کر خدا تعالیٰ کو پابند کر رہی ہے۔ کعبؓ نے کہا: حضورؐ! یہ میری ماں ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: **مَایُدرِیکَ یَا اُمَّ کَعْبٍ لَعَلَّ کَعبًا قَالَ مَا لَا یَعنِیہِ اَوْمَنَعَ مَا لَا یَعنِیہِ** "اے امِّ کعبؓ! تمہیں کیا خبر کہ کعب نے فضول اور بے مقصد باتیں اور بے کار کام کئے ہیں یا ان سے پرہیز کیا ہے؟" (حیاتِ صحابہ' ج ۲' ص ۳۱۹)

حضورؐ کو کعبؓ کے بارے میں یقین تھا کہ وہ دین کے فرائض و واجبات کی ادائیگی میں پختہ اور مضبوط رہے ہیں' اس لئے آپؐ نے فرائضِ دین کے بارے میں بے اطمینانی کا اظہار نہیں فرمایا' البتہ لایعنی اور غیر مفید باتوں سے دور رہنے کے بارے میں اندیشہ ظاہر کیا اور کعبؓ کے حوالہ سے اپنی ساری امت کو وقت کی اور عمرِ عزیز کی قدر کرنے اور ہر لمحہ دینی اور دنیاوی مقاصد میں مشغول رہنے کی ہدایت فرمائی۔

انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ انسان کچھ نہ کچھ وقت تفریحِ طبع اور اپنا جی خوش کرنے کے لئے نکالے ـــــ اسلام فطری تقاضوں کا اخلاقی حدود کے اندر رہتے ہوئے

احترام کرتا ہے اور انسان کو اس کی آزادی دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے رفقاء کے ساتھ بے تکلفی اختیار کرنا اور اور خوش طبعی کرنا ثابت ہے۔ اسلام نے مسلمانوں کو سال بھر میں دو تہوار دئے جن میں عبادت کے ساتھ طبعی مسرت اور خوش مزاجی کا موقعہ فراہم کیا۔ ان تہواروں میں تعبد بھی ہے اور تجمل بھی ہے۔

دین کو کھیل کود بنانا

سورۃ الاعراف میں قرآن کریم نے ایک دوسرے پیرایہ میں بے کار اور بے مقصد کاموں سے بچنے کی ہدایت فرمائی -- جنت اور دوزخ والوں کے ایک باہمی مکالمہ کا حوالہ دے کر بتایا:

وَنَادٰى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝

"اہلِ جہنم اصحابِ جنت کو پکار کر ان سے یہ درخواست کریں گے کہ ہمیں تھوڑا سا پانی یا کچھ کھانے کا سامان دیدو۔ وہ جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کو کافروں کے لئے ممنوع قرار دیدیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے دین (یعنی جو دین ان کی ہدایت کے لئے آیا تھا) کو کھیل تماشا بنا رکھا تھا' اور ان کو دنیا کی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔ پس آج ہم نے ان کو فراموش کر دیا جس طرح انہوں نے دنیا میں ہمیں فراموش کر دیا تھا اور یہ لوگ ہمارے احکام کا انکار کرتے تھے"۔

"دینِ حق کو کھیل بنا رکھا تھا"۔ یہ ترجمہ عام مفسرین نے کیا ہے اور اس کا مطلب یہ لکھا ہے کہ دین کے اعمال و افعال کو چھوڑ کر کھیل تماشے اور بے مقصد تفریحات میں مشغول رہتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ترجمہ کا اسلوب بدلایا اور یہ لکھا کہ "انہوں نے کھیل تماشے کو دین بنا رکھا تھا"۔ شاہ صاحب کے ترجمہ میں ایک لطیف اشارہ پوشیدہ ہے۔ شاہ صاحب کا ترجمہ اس گمراہی کے آخری اسٹیج کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔دین کو کھیل تماشا بنانا' یہ پہلا اسٹیج ہے -- پھر جب کھیل تماشا اتنی اہمیت

حاصل کر لیتا ہے کہ وہی دین و مذہب بن جاتا ہے تو یہ کفر کی منزل ہے۔ کفر کا اطلاق یہ بتا رہا ہے کہ قرآن کریم کی مراد یہی ہے کہ دین کے کاموں کی جگہ بے مقصد تفریحات پر صرف عمل ہی نہیں رہتا بلکہ دین جیسی اہمیت پیدا ہو جاتی ہے' جو ایک عملِ کفر ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ شب برات میں دین کا حصہ شب بے داری ہے' لوگوں نے اس میں آتش بازی کا کھیل شامل کر دیا۔ ایک طبقہ شب بے داری بھی کرتا ہے اور آتش بازی کا کھیل بھی انجام دیتا ہے۔ حلوہ خوری' قبرستانوں کی سجاوٹ اور ساری ساری رات بجلی کے قمقموں سے سجے ہوئے بازاروں میں چلنے پھرنے اور رسمی دعاؤں کے لئے قبرستانوں میں جانے آنے کی رسمیں شامل کر دیں۔ ان میں ایک طبقہ رسمی شب بے داری بھی کرتا ہے اور یہ کھیل کود کے کام بھی انجام دیتا ہے۔ یہ اس گمراہی کی ابتدائی شکل ہے۔ اسی گروہ میں ایک طبقہ وہ نظر آتا ہے جو دعاء و استغفار اور شب بیداری کے دینی حصہ کو بالکل نظر انداز کر دیتا ہے اور کھیل کود کے کاموں ہی میں وقت گزاری کر کے اپنے عمل سے یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ کام ہی اصل مقصود ہیں۔ یہ آخری منزل ہے اس گمراہی کی۔ قرآن کریم نے اسی عمل پر کفر کا اطلاق کیا ہے۔

تعزیہ کے جلوس کو ایک طبقہ دین سمجھتا ہے پھر اس میں کھیل تماشے کے کام شامل کر لئے جاتے ہیں۔ اس کی آخری صورت بمبئی کے ساحلی مقامات (کوکن) میں سامنے آتی ہے جہاں سب عاشورہ میں تعزیہ کے جلوس کے ساتھ شراب میں مست ہو کر نوجوان ساری ساری رات بھنگڑہ ناچ کرتے ہیں اور اس فعل کو حرام سمجھتے ہوئے اسے چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتے۔ گویا اس فعلِ حرام کو انہوں نے دین کا درجہ دیدیا ہے۔ ایک فعل بدعتِ حسنہ کے طور پر جاری ہوتا ہے پھر اس میں بدعتِ سیئہ کی شکل پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ شکل آخری اسٹیج ہے۔ عقیدہ میں وہ کھیل تماشا چاہے کھیل تماشا ہی رہے لیکن عملی طور پر اس میں پابندی اور اصرار اس فعل کو دین و مذہب کے درجہ پر لے آتا ہے۔ مہاراشٹر کوکن (بان کوٹ' رتناگیری) کے علاقہ میں اس بدعتِ سیئہ کا تماشا دیکھو۔ یہاں گاؤں گاؤں دس دن تک محرم کے تعزیے نکالے جاتے ہیں

(باقی صفحہ ۶۴ پر)